ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.3 (2024)
(July to September)

اکبر الٰہ آبادی: مکاتیب کے آئینے میں

Akbar Illah Abadi: in the perspective of his letters

حنا تبسم

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

پروفیسر ڈاکٹر عاصمہ راؤ

گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین گلبرگ، لاہور

ڈاکٹر عظمت رُباب

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

Hina Tabbasum
Doctoral Candidate, Department of Urdu, LCWU, Lahore
Prof. Dr. Asma Asghar Rao
Govt. Graduate College for Women, Gulberg, Lahore
Dr. Azmat Rubab
Associate Professor, Department of Urdu, Department of Urdu, LCWU, Lahore

Abstract:
Akbar Allah Abadi was a renowned Urdu poet . he was famous for his humorous poetry.Although his poetry covered themes of both humorous and serious nature but yet he is liked due to his humorous Urdu poetry.Allama Iqbal was also a great admirer of his humorous poetry.He was not only a poet but also a prose writer and very few people know this fact. Though he did not write much in prose but his available prose work is enough to make him alive in Urdu literature as a prose writer. In this article his prose writing skills will be analyzed which will reflect his literary intellect and his socio-economic circumstance in which he was living. From the number of manuscripts of Akbar's Mukto-baat that have been found, it is proved that Akbar was not completely interested in the matters of writing Mukto-baat. There was no definite intention, if they had thought like that, they would have given a nod to the use of food.

Keywords: Akbar Allah Abadi, humorous poetry, humorous poetry, Urdu literature, Akbar's Mukto-baat, correspondence.

اکبر الٰہ آبادی اُردو کے ایک نام ور شاعر ہیں۔ ان کی وجہ شہرت ان کی مزاحیہ شاعری ہے۔ یہ سچ ہے کہ آج بھی لوگ اکبر کے سنجیدہ کلام کے مقابلے میں ان کے ظریفانہ کلام کے دلدادہ ہیں۔ اگرچہ اکبر نے سنجیدہ اور مزاحیہ دونوں موضوعات پر شاعری کی ہے۔ ان کی قدر الکلامی کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہو گا کہ اقبال بھی اکبر کے مداحوں میں شامل ہیں۔ لیکن اس بات سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ اکبر نہ صرف شاعر بلکہ نثر نگار بھی تھے۔ انہوں نے نثر اگرچہ کم لکھی مگر جو کچھ لکھا وہ ان کو اردو ادب کی تاریخ میں زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ جیسا کہ خطوط بھی نثر میں شامل ہیں۔ درج ذیل صفحات میں اکبر کے خطوط کی روشنی میں اکبر کے فن اور شخصیت کا جائزہ لیا جائے گا اور

اکبر کے خطوط کے فنی محاسن کو بھی اجاگر کیا جائے گا۔ اکبر الہ آبادی کا شمار اردو کے بلند پایہ شعراء میں ہوتا ہے۔ آپ کا مکمل نام سید اکبر حسین رضوی ہے۔

آپ ۱۲ نومبر ۱۸۴۶ کو ضلع الہ آباد کے قصبے بارہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدارس اور سرکاری سکولوں میں پائی۔ ۱۸۶۶ میں نائب تحصیل دار مقرر ہوئے۔ ۱۸۷۲ میں وکالت کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۸۰ تک وکالت کی پھر منصف کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے پہلے سب آرڈینٹ جج اور پھر جج مقرر ہوئے۔ آپ کو اعلیٰ کارکردگی کی بنیاد پر حکومت برطانیہ کی طرف سے "خان بہادر" کا خطاب ملا۔ اردو ادب میں آپ کی خاص وجہ شہرت آپ کی طنز و مزاح اور لطیف طنزیات سے بھرپور شاعری ہے۔ آپ کی اردو شاعری کی بناء پر آپ کو اردو ادب میں "لسان العصر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اکبر الہ آبادی کی وجہ شہرت ان کی طنز و مزاح پر مبنی شاعری ہے۔ اگرچہ طنز و مزاح پر مبنی شاعری ان کے کل کلام کا ۳۰٪ حصہ ہے۔ اکبر کے کلام کا ۷۰٪ حصہ سنجیدہ کلام پر مبنی ہے۔ اکبر الہ آبادی کے حوالے سے جتنی بھی تحقیق کی گئی ہے اس میں زیادہ تر تحقیق ان کی شاعری پر کی گئی ہے۔ ان کی نثر یا مکتوب نگاری کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اگرچہ نثر انہوں نے شاعری کی نسبت کم لکھی مگر جتنی لکھی وہ اردو ادب میں اہم اور قیمتی سرمائے کا درجہ رکھتی ہے۔ اکبر کے حوالے سے جو کچھ بھی لکھا گیا یا تحقیق کی گئی وہ "اکبر بحیثیت شاعر" کے کی گئی۔ اکبر بطور مکتوب نگار کیسے تھے اس کی جانب بہت ہی کم توجہ دی گئی۔ اکبر کے مکتوبات کی اشاعت ضرور ہوئی لیکن اس پر بھی بہت کم تحقیق کی گئی کہ اکبر بحیثیت مکتوب نگار کیسے تھے۔ کسی علمی ادبی شخصیت کے خطوط بھی جب وہ لکھے جا رہے ہوتے ہیں ادب کی حیثیت نہیں رکھتے۔ لیکن اگر کسی شاعر یا مصنف پر تحقیق کی جا رہی ہو تو خطوط معلومات کا بہترین خزانہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ کسی شاعر یا مصنف کی حقیقی حیثیت کا اندازہ لگانے کے لئے خطوط نہایت اہم اور بہت حد تک قابل اعتماد سرمایا ہیں۔ اور کسی بھی علمی ادبی شخصیت یا کسی بھی ایسے شخص کے خطوط کا مطالعہ انتہائی دل چسپی کا سامان ہوتا ہے جسے ہم جانتے ہیں۔ کسی بھی عام قاری کے لئے یہ ایک دل چسپ مشغلہ اور دل بستگی کا سامان ہو سکتا ہے لیکن ایسے خطوط کسی محقق کے لئے کیا حیثیت رکھتے ہیں یہ ایک محقق ہی سمجھ سکتا ہے۔ ذیل میں ہم مکاتیب اکبر کی روشنی اکبر کی شخصیت اور اکبر کے خطوط کے فنی محاسن کا جائزہ لیں گے۔

اکبر کے عزیز و اقارب اور دوست احباب کا حلقہ بہت وسیع تھا اور اسی طرح ان کی دوستوں کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ بھی تواتر سے چلتا رہتا تھا۔ اکبر نہایت پابندی اور توجہ سے خطوط کے جوابات بھی ارسال کیا کرتے تھے۔ خط لکھنے اور خط کا جواب دینے میں ہرگز تاخیر سے کام نہ لیتے تھے۔ اکبر جب جہاں جس بھی حالت میں ہوتے خط و کتابت جاری رکھتے۔ خط لکھنے کے لئے اکبر کسی مخصوص کاغذ یا پیڈ کا استعمال نہ کرتے، بلکہ جو کاغذ ہاتھ آیا اسی پہ خط لکھ ڈالا۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ زمین پہ گرا پڑا کوئی کورا کاغذ ہاتھ لگ گیا تو اسی پہ خط لکھ ڈالا۔ ایک خط جو اکبر نے عبد الماجد دریا آبادی کے نام لکھا اس میں لکھتے ہیں:

"عزیز مکرم!

یہ مضمون آپ کو بھیجنا تھا ردی پر لکھ دیا"(۱)

اکبر الہ آبادی کے خطوط سے لئے گئے ان اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر الہ آبادی جیسا پڑھا لکھا اور قابل انسان خطوط نویسی میں کتنا لاپرواہ رویہ رکھتا ہے۔ لیکن یہ لاپرواہی محض خطوط کے کاغذ اور سیاہی کی حد تک ہے۔ خط میں لکھی گئی عبارت میں کسی قسم کا سقم نہیں ہوتا تھا۔ ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

"میں غلطی سے یہ خط ردی کاغذ پر لکھ گیا، معاف کیجیے گا۔(۲)

اکبر کے مکتوبات کے جتنے قلمی نسخے ہاتھ لگے ہیں ان سے ایک تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اکبر کو مکتوب نگاری کے متعلقات سے رتی بھر دل چسپی نہ تھی۔ دوسرا یہ کہ اپنے خطوط کی اشاعت کا اکبر کا قطعی ارادہ نہ تھا اگر وہ ایسا سوچتے تو کاغذ کے استعمال پر بھی ضرور توجہ دیتے۔ اس بے توجہی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اکبر کے زیادہ تر مکتوبات ملازمت سے فراغت کے بعد کے ہیں یا عمر کے آخری دس سالوں کے ہیں اور ان دنوں پے در پے صدمات اور بیماریوں نے اکبر کو اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ دل لگا کر مکتوب نگاری کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے خط لکھتے۔ یہ رویہ ایک ایسے مکتوب نگار کا ہی ہو سکتا ہے کہ جس نے اشاعت کی غرض سے مکتوبات نہ لکھے ہوں۔ اکبر کے بیشتر خطوط ان کے صاحب زادے سید عشرت حسین کے نام ہیں۔ جو زیادہ تر عشرت حسین کے قیام ولایت کے دوران اکبر نے ان کو لکھے۔ اس کے علاوہ کچھ خطوط دوستوں کے نام اور کچھ اس وقت کی مشہور علمی ادبی شخصیات کے نام لکھے گئے ہیں، جن سے اکبر الہ آبادی کے دوستانہ مراسم تھے۔ اکبر کی مکتوب نگاری کے حوالے سے شیخ عبد القادر رقعات اکبر میں کچھ یوں رقم طراز ہیں۔

"مرحوم ایسے کثیر الاحباب اور بااخلاق بزرگ تھے کہ ملک کے ہر حصے سے
شائقین ادب اردو ان سے خط و کتابت کرتے تھے اور وہ باوجود پیرانہ سالی
اور ہجوم امراض کے رسم مراسلت میں خلل نہ آنے دیتے تھے۔(۳)

کسی بھی انسان کی شخصیت کو سمجھنے میں اس کے خطوط بے حد معاون ثابت ہوتے ہیں۔ خاص طور سے تحقیق کے سلسلے میں خطوط کا مطالعہ بے حد مفید ثابت ہوتا ہے۔ جن خیالات یا معاملات کو اعلانیہ بیان نہیں کیا جا سکتا وہ سب انسان اپنے نجی خطوط میں لکھ ڈالتا ہے، کیوں کہ خط لکھتے وقت یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ منظر عام پر بھی آسکتے ہیں۔ اور تو اپنے خطوط کی اشاعت کو بالکل بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ دوست احباب کے بے حد اصرار پر اکبر نے مجبوراً خطوط کی اشاعت کی اجازت تو دے دی لیکن ان کو ان کی حقیقی حالت میں شائع نہ ہونے دیا بلکہ اکبر نے چند ترمیمات کو ضروری خیال کیا اور ترمیم کے ساتھ خطوط کی اشاعت کی اجازت دے دی۔ مکاتیب اکبر کی سب سے بڑی خوبی سادگی اور بے ساختگی ہے۔ خط لکھنے کا انداز بالکل سادہ اور جملے انتہائی مختصر ہیں۔ خط لکھنے میں اکبر بہت زیادہ آداب و القابات کے قائل نہیں ہیں۔ پیراگراف بہت بناتے ہیں ہر دو تین جملوں کے بعد نیا پیراگراف سامنے آتا ہے۔ کاغذ پر سب سے اوپر داہنے ہاتھ کی جانب مقام اور تاریخ لکھنا اکبر کا معمول تھا۔ آخر میں اپنے نام کی جگہ کبھی A.S، کبھی اکبر حسین اور کبھی محض اکبر لکھنے پر اکتفا کرتے تھے۔ خط کا پتہ ہمیشہ اردو میں لکھتے تھے جب کہ شہر کا نام انگریزی میں لکھتے تھے۔ خطوط اکبر کے مطالعے سے جو اکبر سامنے آتا ہے وہ شاعری والے اکبر سے قطعی مختلف ہے۔

اکبر کی شاعری اکبر کی بذلہ سنجی اور زندہ دلی کی عکاسی کرتی ہے جب کہ خطوط کی روشنی میں اکبر کو دیکھا جائے تو ایک مایوس، ناامید، دنیا سے بیزار شخص سامنے آتا ہے۔ شاعری میں اکبر ایک نڈر، بے باک، زندہ دل اور پر رعب شخص دکھائی دیتا ہے جب کہ خطوط میں ڈرپوک اور انتہائی محتاط دکھائی دیتا ہے۔ جو نے خوفی اور بے باکی شاعری میں کلام اکبر سے ٹپکتی ہے، خطوط میں وہ مفقود ہے۔ اس کی ایک یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اکبر کے جو خطوط منظر عام پر آئے ان میں سے زیادہ تر خطوط اکبر کی زندگی کے آخری ایام کے ہیں۔ اس وقت اکبر بوڑھے ہو چکے تھے، امراض اور صدمات نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ قوی مضمحل ہو چکے تھے۔ زندگی کا دیا بس بجھنے ہی کو تھا۔ اکبر نے آخری عمر میں اتنے، دکھ صدمے اور امراض دیکھے تھے کہ اکبر انتہائی مایوس اور زندگی سے بیزار ہو چکے تھے۔ ایسے میں اگر خطوط کا اکبر اس اکبر سے مختلف دکھائی دیتا ہے جو شاعری میں حالات کی ستم ظریفی پر بھی قہقہے لگاتا دکھائی دیتا ہے تو یہ اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ ہاں یہ حقیقت ہے کہ شاعری اور خطوط میں اکبر کی شخصیت کے دو الگ رنگ دکھائی دیتے ہیں یا زندگی میں حالات کے بدلتے رخ کا سراغ ملتا

ہے۔ شاعری میں زندگی سے بھرپور ہنستا قہقہے لگاتا اکبر ملتا ہے، جب کہ خطوط میں دنیا سے بیزار، زندگی سے اکتایا ہوا، موت کو پکارتا ہوا مایوس انسان نظر آتا ہے۔ اکبر کے خطوط سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں جو اکبر کی زندگی کے آخری چند برسوں کے حالات کے گواہ ہیں۔

"کیا بتاؤں کس عالم میں رہتا ہوں۔ ہر روز دس پانچ مرتبہ ایک شعلہ
حسرت سینے میں مشتعل ہو کر دل جلاتا اور مجھ کو تڑپاتا ہے۔ خودکشی
ناجائز اور زندگی بے حلاوت ہے۔"(۴)

ایسے بے شمار اقتباسات اکبر کی زندگی کے آخری دس برسوں کے خطوط میں ملتے ہیں جن سے اکبر کی آخری ایام کا باآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

"ڈیڑھ مہینے تک میں دانتوں اور مسوڑھوں کے درد اور ورم میں مبتلا رہا
سخت تکلیف اٹھائی کھانا دشوار، پینا مشکل، نماز میں دقت سجدہ اشاروں
سے کرتا رہا۔"(۵)

خط و کتابت آخری عمر تک جاری رہی لیکن تقریباً تمام خطوط ایسا کوئی نہ کوئی جملہ ضرور ہوتا ہے، جس سے اکبر کی ذہنی یا جسمانی کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔

"طبیعت اچھی نہیں رہتی ہمہ تن تبخیری سوداوی ہوا جاتا ہوں۔(۶)

اکبر بچپن سے معدے کے مریض تھے اور یہ عارضہ آخری عمر تک اکبر کے ساتھ رہا اگرچہ اکبر نے ہمیشہ پرہیز کا بہت خیال رکھا اکبر ادویات سے زیادہ پرہیز پر یقین رکھتے تھے۔

"بائیس دن سے بیمار ہوں۔ غذا ترک ہے۔ کھا ہی نہیں سکتا
سینے پر ہیجان تبخیرات سے کبھی دم رکنے لگتا ہے۔ نزلہ
ہوا تھا۔ بلغم بگڑ گیا۔ ڈاکٹر معالج ہیں۔ حسن نظامی صاحب
کو تار دے کر بلایا۔"(۷)

آخری عمر میں اکبر کو انواع و اقسام کے امراض نے گھیر لیا۔ اور اس چیز نے اکبر کو زندگی سے بیزار کر دیا۔

"سوسائٹی کا تعلق خواہ مخواہ مجبور کرتا ہے۔ اگر تندرست ہوتا تو
جنگلوں اور پہاڑوں میں بھاگ جاتا۔"(۸)

صحت کی خرابی اور عزیز بیٹے اور بیوی کی جدائی کے صدمے نے اکبر کو دنیا سے بے بیزار کر دیا تھا۔ ان کو خط و کتابت کا تعلق بھی بعض اوقات بوجھ محسوس ہوتا تھا۔

"عمر ۷۵ سال، آلام ایسے، عوارض کا یہ حال کہ ۱۸ گھنٹے بااوقات
مختلف تکلیف دہ احساس بوجہ ضعف اعصاب کے ہوا کرتا ہے، اور
سمجھتا ہوں کہ نزع قریب ہے۔"(۹)

یہ دور اکبر کی زندگی کا قابل رحم دور ہے۔ اگر صرف بیماری ہوتی یا صرف صدمات ہوتے تو شاید یہ حالات نہ ہوتے بیماری اور صدمات نے ایک ساتھ اکبر پر حملہ کیا تو اکبر بے حد رنجیدہ اور زندگی سے مایوس ہو گئے۔

"دنیا عجیب جگہ ہے۔ ہم اس کو چھوڑتے ہیں تو یہ ہم کو
نہیں چھوڑتی"(۱۰)

خطوط کے مندرجہ بالا اقتباسات سے اکبر کی زندگی کے آخری دس سال کس طرح گزرے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ان حالات نے ایک بزلہ سنج، خوش مذاق، زندہ دل شاعر اکبر کو ایک مایوس، دل برداشتہ انسان میں تبدیل کر دیا۔ اکبر کے خطوط سے ان کی زندگی کے حوالے سے بہت سی ایسی باتوں کا پتہ چلتا ہے جن سے مکاتیب اکبر کی اشاعت سے پہلے لوگ لاعلم تھے۔ اکبر کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر کو اردو پر اس قدر عبور تھا کہ لوگ دور دراز سے بذریعہ خط و کتابت اکبر سے علمی ادبی مسائل پر رائے لیتے تھے۔ کچھ شعراء حضرات اپنے کلام پر اکبر سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ اکبر خطوط کے ذریعے دوست احباب کے کلام پر تبصرہ بھی فرمایا کرتے تھے اور اصلاح بھی کیا کرتے تھے۔ مثلاً اکبر کے ایک خط سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"مجھ کو حیرت ہوئی کہ آپ ایسے شعر کہہ سکتے ہیں۔ جو رنگ سخن
سخن ظاہر ہوتا ہے وہ بہت پختہ ہے کیا کہنا چاہیے اور کیوں کر کہنا چاہیے۔ اول میں کوئی جگہ اعتراض کی نہیں ہے بلکہ تائید مناسب ہے۔ دوم میں البتہ کہیں کہیں اصلاح کی ضرورت ہے۔ بہر کیف میں آپ کی غزل دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یہ شعر تو ہر اعتبار سے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔
ہر چند عقل صبر آموز
نہ گئیں بے قراریاں نہ گئیں"(۱۱)

اکبر دوسروں کی غلطیاں بھی ایسے نکالتے کہ اگلے بندے کو بلکل برا نہ لگتا۔ عبد الماجد دریا آبادی کے نام لکھے گئے خطوط میں اور عزیز لکھنوی کے نام لکھے گئے چند خطوط میں خالص علمی ادبی مسائل پر تبصرہ ملتا ہے۔ عام طور پہ اکبر خطوط لکھنے میں اختصار سے کام لیا کرتے تھے۔ مختصر ترین انداز میں دوٹوک بات کر کے ختم کرتے تھے، لیکن جہاں کہیں علمی، ادبی، فنی معاملات پر بحث آجاتی تو خط کئی صفحات پر چلا جاتا اکبر وضاحت کرتے چلے جاتے۔ ظفر علی خان کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میں آپ کے ترجمہ "حالات ایران" کو دیکھ رہا تھا، بمشکل دو چار صفحے پڑھے آپ کی قابلیت کی داد وہ دے جو آپ سے علم و لیاقت میں زیادہ ہو لیکن میں بھی سبحان اللہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ یہاں ایک امر کی طرف آپ کی توجہ رجوع کرتا ہوں۔ مجھ کو کئی جگہ تانیث و تذکیر میں شبہ ہوا۔ اگر آپ اتفاق کریں تو ت صحیح کا اعلان شاید مناسب ہو۔ ممکن ہے کہ لوگ اعتراض کریں۔ "قالین" میری زبان اور اور غالباً دہلی اور لکھنؤ میں صیغہ تذکیر ہے۔ میں کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ آئندہ لائق اردو دان کیوں کر یہ علم حاصل کر سکیں گے ان پر اس کی پابندی فرض ہو گی۔ قواعد اردو سے اس بحث کو خارج ہو جانا چاہیے ایک مقام پر میں نے لفظ "غف" دیکھا میرے علم

میں "غفض" صحیح ہے۔ میں نہیں جانتا غف بھی جائز ہے یا نہیں۔ اس قسم کی چند
غلطیاں نظر آئیں، اسوقت یاد نہیں رہیں۔"(۱۲)

اکبر نے یہ خط ظفر علی خان کے نام لکھا تھا لیکن پھر انہوں نے اسے ظفر علی خان کو بھیجنا مناسب نہ سمجھا اور اسی سلسلے میں انہوں نے مزید ایک خط حسرت موہانی کے نام لکھا، اور اس کے ساتھ ہی یہ خط بھی حسرت موہانی کو بھیج دیا۔ حسرت موہانی کے نام جو خط لکھا اس کی بھی چند سطریں ملاحظہ ہوں:

"ظفر علی خان صاحب نے اکثر غلطیاں تانیث و تذکیر کی کیں ہیں۔
قالینیں بچھی ہوئی تھیں وغیرہ وغیرہ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مسلہء
کا کیا حشر ہوتا ہے اور کس بنائ پر لوگ پابند کئے جائیں۔ آپ ریویو کریں
تو کتاب بھیج دوں۔"(۱۳)

یہ محض ایک مثال ہے اسی اور بہت سی مثالیں خطوط اکبر سے دی جاسکتی ہیں جن سے اکبر کی اردو پر دسترس ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علمی ادبی معاملات پر بات آجاتی تو اکبر اختصار پر وضاحت اور جامعیت کو ترجیح دیتے تھے۔ اکبر نے خطوط میں جہاں علمی ادبی اور فنی موضوعات پر بحث کی ہے، وہاں انگریزی الفاظ کا بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔ ان الفاظ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا کہ وہ انگریزی ادب سے استفادہ کرنے کے بعد اردو کے علمی مسائل پر بحث کرتے تھے۔ بعض جگہوں پر انگریزی الفاظ کا ستعمال اکبر کی تحریر کا نقص معلوم دیتا ہے۔ اکبر کے ہاں نثر میں اور شاعری میں ایسے بہت سے انگریزی الفاظ ملتے ہیں جن کے مترادف الفاظ اردو میں عام پائے جاتے ہیں۔ ایسے میں انگریزی الفاظ کے استعمال کی کیا منطق ہے یہ بات بعید از فہم ہے۔ یوں نے تو اکبر نے اپنے خطوط میں فارسی اور عربی الفاظ اور تراکیب کا بھی استعمال کیا ہے لیکن یہ الفظ اور تراکیب اردو میں معیوب نہیں لگتے بلکہ اردو اردو کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں۔ اردو کی بنیاد ہی عربی اور فارسی زبان ہیں تو عربی اور فارسی کے الفاظ عجیب نہیں لگتے تاہم انگریزی الفاظ کا غیر ضروری استعمال ہضم نہیں ہوتا ۔ اب تو انگریزی کے بہت سے الفاظ روز مرہ گفتگو کا حصہ بن چکے ہیں آج سے سو سال پیچھے جائیں تو یہ الفاظ نامانوس لگتے ہیں اکبر نے جن الفاظ کو اپنے خطوط اور نثر میں استعمال کیا ان میں سے چند بطور نمونہ درج ہیں۔ ریویو، ڈیئر، لٹریچر، لٹریری، فرینڈ، اپوزٹ، ریلیجیس، سرکل ، ہسٹری، آرٹیکل، پرائیویٹ، پوسٹ مین، جنٹل مین، پاپولر، نوٹ، فیملی، ایڈریس، پبلک، ریمارکس، ڈنر، اسپیچ وغیرہ۔ جہاں اکبر نے مزاحیہ اشعار میں انگریزی الفاظ کو استعمال کیا اس کی وجہ کسی حد تک سمجھ آسکتی ہے۔ لیکن خطوط میں یا دیگر نثری مواد میں ایسے الفاظ کا استعمال اکثر جگہوں پر بہت ہی بھونڈا محسوس ہوتا ہے اور تحریر کو بدمزہ کر دیتا ہے۔

اکبر کے خطوط کے مطالعہ سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے اکبر نے اپنی عمر کے آخری حصے میں کلام پاک کی بہت زیادہ تلاوت کی ہے۔ آخری اکیس سال تلاوت کلام پاک میں کبھی ناغہ نہ کیا۔ ان کے خطوط میں اشعار کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی مختلف آیات کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ خطوط اکبر میں اکثر ایسے جملے ملتے ہیں جن سے اکبر کے کلام پاک سے خصوصی کا اظہار ہوتا ہے۔ در اصل اکبر کو مذہب سے لگاؤ وراثت میں ملا تھا۔ ہر معاملے کے حل کے لئے اکبر کلام پاک سے رجوع کرتے خطوط اکبر سے اکبر کی گہری مذہبی وابستگی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ اکبر کے خطوط میں منظر نگاری کے بڑے عمدہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ شروع میں اکبر کا زیادہ رجحان جزئیات نگاری کی طرف تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جزئیات نگاری کی نسبت منظر نگاری کی طرف زیادہ توجہ دی۔ آپ نے اس خوبصورت انداز سے

منظر نگاری کی ہے کہ بعض جگہوں پر ایسا گمان ہوتا ہے کہ قاری خود یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اکبر کی منظر نگاری کے حوالے سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

"عشرت کچہری گئے ہیں دوپہر کا وقت ہے سناٹا ہے پریشان
اور تند ہوئیں چل رہی ہیں لیکن ساتھ ہی درد سر بھی ہے۔"(۱۴)

ان اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر منظر نگاری بہت خوبی سے کر سکتے تھے اگرچہ انہوں نے نثر بہت کم لکھی ہے۔ لیکن جو لکھی وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر اکبر نثر نگاری پر توجہ دیتے تو ان کا شمار اپنے عہد کے ممتاز نثر نگاروں میں ہوتا۔

"عشرت سلمہ کا عقد ۳۰ مارچ بروز پنج شنبہ پر یاواں ضلع پرتاب
گڑھ میں ہوگا۔ موسم گرم، راہ دور اور دشوار گزار ہے۔ دریا عبور
کرنا ہے۔ ۳۰ مارچ کی صبح کو چند اعزہ واحباب عشرت میاں کے ساتھ
جائیں گے۔ یکے اور ہاتھی کی سواری ہوگی، شاید کچھ پالکیاں بھی ملیں۔"(۱۵)

سید عشرت حسین کی شادی کے سلسلے میں لکھا گیا یہ خط اس بات کا گواہ ہے کہ اگر اکبر نثر نگاری کے فن پر بھی طبع آزمائی کرتے تو منظر نگاری کے اعلیٰ نمونے ان کی تحریروں میں دیکھنے کو ملتے۔

"یہاں بارش نہیں ہوئی، شدت گرمی سے بے حواس ہوں۔ آج سال
کا سب بڑا اور گرم دن ہے۔ ۲۴ تک جان بچ گئی تو قیاس ہو سکے گا کہ
گرمیوں میں بچ گیا۔"(۱۶)

مندرجہ بالا اقتباسات سے اکبر کی منظر نگاری پر دسترس واضح ہو جاتی ہے۔ مکاتیب اکبر سے ایک اور بات اکبر کی تحریر کے حوالے سے سامنے آتی ہے۔ جہاں اکبر کو اردو پر تذکیر و تانیث اور دیگر معاملات کے حوالے سے عبور حاصل تھا وہیں اکبر کی تحریر کا ایک واضح نقص سامنے آتا ہے وہ یہ کہ اکبر الفاظ کو بلا ضرورت ملا کر لکھا کرتے تھے۔ ایسی تحریر جہاں پڑھنے اور لکھنے میں دشوار ہوتی ہے وہیں املائی مسائل میں اضافے کا بھی امکان بڑھ جاتا ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسا طرز تحریر اردو کے قواعد وضوابط کے بھی منافی ہے۔ لیکن اکبر کا یہی طرز تحریر تھا الفاظ کو بلا وجہ ایک دوسرے سے ملا کر لکھا کرتے تھے۔ لیکن مندرجہ ذیل الفاظ اکبر کے یہاں اکٹھے لکھے ملا کر لکھے ہوئے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ دیکھکر، بیحد، مجھکو، کرونگا، کہدیا، تعلیمیافتہ، جانیوالا، رہونگا، سیکھکر، بے چین، دلکو وغیرہ۔

نثر نگاری میں اکبر کا سرمایا صرف خطوط ہی نہیں بلکہ اکبر نے کثیر تعداد میں مضامین بھی لکھے ہیں۔ جس طرح اکبر کے خطوط سے اکبر کی تحریر، اور اکبر کی شخصیت کے حوالے سے بہت سے حقائق سامنے آئے ہیں اسی طرح یقیناً دیگر نثری مواد بھی بہت دل چسپ اور اہمیت کا حامل ہوگا۔ خطوط کے آئینے میں جو اکبر ہمارے سامنے آتا ہے وہ اس اکبر سے قطعی مختلف شخص ہے جو شاعری میں ہنستا، ہنساتا قہقہے لگاتا دکھائی دیتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبد الماجد دریا آبادی، (مرتب)، مکاتیب اکبر، لکھنؤ، ادبی پریس، ۱۹۲۲، ص: ۱۱۰
۲۔ مکتوبات اکبر، (بنام مرزا سلطان احمد)، لاہور، مرغوب ایجنسی، س۔ن، ص: ۴۱

۳۔ محمد رحیم دہلوی، (مرتب)، اکبر کے شب و روز، کراچی، مکتبہ رضیہ، س۔ن، ص:۳

۴۔ ایضاً، ص:۱۷۳

۵۔ ایضاً، ص:۱۷۶

۶۔ ایضاً، ص:۱۹۹

۷۔ ایضاً، ص:۲۲۹

۸۔ ایضاً، ص:۲۳۹

۹۔ ایضاً، ص:۲۴۱

۱۰۔ عبد الماجد دریا آبادی، (مرتب)، مکاتیب اکبر حصہ دوم، لکھنؤ، ادبی پریس، ۱۹۲۳، ص:۱۱۱

۱۱۔ ایضاً، ص:۲۱

۱۲۔ مختار الدین آرزو، خطوط اکبر، مشمولہ علی گڑھ میگزین، ایڈیٹر شبیہ الحسن، اکبر نمبر، جلد ۲۴، مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ، علی گڑھ، انڈیا: دسمبر ۱۹۵۰، ص:۱۱

۱۳۔ ایضاً، ص:۷

۱۴۔ رحیم دہلوی، (مرتب)، اکبر کے شب و روز، کراچی، مکتبہ رضیہ، س۔ن، ص:۲۰۵

۱۵۔ محمد نصیر ہمایوں، (مرتب)، رقعات اکبر، ۱۹۴۹، ص:۴۷

۱۶۔ خطوط اکبر، بنام خواجہ حسن نظامی، دہلی: شاہ جہانی پریس، ۱۹۲۶، ص:۱۴

References in Roman Script

1. Abdul Majid Daria Abadi (Muratib), Makateeb e Akbar , Lakhnnao:Adbi Press, 1922,p:110
2. Maktoobat e Akbar(Banam Mirza sultan Ahmad)Lahore Marhgob Agency ,p:41
3. Muhammad Raheem Dehlve(Muratib),Akbar Kay Shab o roz, Karachi: Maktaba Razia, Sun Nidarad
4. Ibid,p.173
5. Ibid,p.176
6. Ibid,p.199
7. Ibid,p.229
8. Ibid,p.239
9. Ibid,p.241
10. Abdul Majid Dreabadi (Muratib) Mkateb Akbar Hissa Doom ,Lukhno: Adbi Press Sun Ashat 1923, P 111
11. Ibid,p.21

12. Mukhtar u Din Aroz, Khatot Akbar, Mashmola Ali Gadh Magzine,Editor Shabi ul Hassan, Akbar No, Jild 24 Muslim University Press Ali Gadh, india: December1950 P.11
13. Ibid,p.7
14. Muhammad Raheem Dehlve(Muratib),Akbar SKay Shab o roz, Karachi: Maktaba Razia, Sun Nidarad,P.205
15. Muhammad Naseer Humayon(Muratib) ,Ruqat Akbar, Sun Ashat 1949 P.47
16. Khatot Akbar, Binam Khwaja Hassan Nizami, Dehli: Shah Jhani Press Sun Ashat ,1926 P.14